(22)

ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب احمدیت کو تمام مذاہب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑے گا

(17 جولائی 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''آج بھی مَیں خطبہ اسی تسلسل میں کہنا چاہتا ہوں جس تسلسل میں پچھلے دو خطبے میں نے پڑھے ہیں۔ مَیں نے پچھلی دفعہ بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض افعال کا ظہور تقدیر کے ذریعہ ہوتا ہے اور جس وقت خدا تعالیٰ کی کوئی تقدیر ظاہر ہوتی ہے کسی عظیم الشان انقلاب یا کسی زبردست پیشگوئی کے ذریعہ سے۔ تو انسانوں کی جانیں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں یوں تو ہمیشہ ہی ہوتی ہیں مگر اس وقت خدا تعالیٰ خاص طور پر دخل دے دیتا اور اسباب کو ایک حد تک معطل فرما دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اور مکہ والوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان جنگوں میں باوجود اس کے کہ صحابہؓ کم ہوتے تھے، وہ بہت تھوڑی تعداد میں مارے جاتے تھے اور باوجود اس کے کہ دشمن بہت زیادہ تعداد میں ہوتا تھا وہ زیادہ مارا جاتا تھا یا اس کا خاصہ حصہ قیدی بن جاتا تھا۔ اس کا باعث در حقیقت یہی امر تھا کہ اس زمانہ میں صحابہؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے خاص احکام جاری ہوئے تھے اور وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ یہ ہماری تقدیر کا میدان ہے، عام تدبیر کا میدان نہیں۔ اگر تدبیر کا میدان ہوتا تو مسلمانوں میں موت زیادہ ہوتی اور کفار میں کم ہوتی لیکن تقدیر کا میدان ہونے کی وجہ سے سوائے ان لوگوں کے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے شہادت کی موت مقدر کی ہوئی تھی باقیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے

فرشتوں کو یہی حکم دیتا تھا کہ وہ ان کی جانوں کو بچائیں۔ اسی لئے قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ بعض جنگوں میں پانچ پانچ ہزار ملائکہ کو اتارا جاتا تھا۔ [1] اب ملائکہ کو اتارنے کے یہ معنے تو نہیں کہ وہ تلواریں لے کر آسمان سے اتر آتے اور کفار سے لڑنے لگ جاتے تھے بلکہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال کر اور بعض دوسرے ذرائع سے کام لے کر مومنوں کی حفاظت کرتے تھے اور دشمنوں کو ہلاکت کی طرف لے جاتے تھے۔

جب تک مسلمانوں کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ تقدیر جاری رہی اس وقت تک ہر قسم کے خطروں میں اپنے آپ کو ڈالنے کے باوجود مسلمان بہت کم مارے جاتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کے بعد جو جنگیں ہوئی ہیں ان میں بھی مسلمان بہت حد تک مَیدان جنگ سے سلامتی کے ساتھ واپس آتے اور بہت کم مارے جاتے تھے حالانکہ ان کا مقابلہ بڑی بڑی منظم اور طاقتور حکومتوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ آجکل انگریزوں کی لڑائیاں جو بعض دفعہ سرحد پر ہو جاتی ہیں ان میں انگریزی فوج کے تو ایک دو آدمی مارے جاتے تھے مگر قبائلی لشکر جو ان کے مقابلہ میں آتے ہیں ان کے بیس بیس، تیس تیس، چالیس چالیس آدمی مارے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ انگریزی لشکر کے پاس سامان بہت زیادہ ہوتا ہے، وہی زیادہ منظم اور قواعد دان ہوتے ہیں اور لڑائی کے فن سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پس زیادہ قواعد دان ہونے کی وجہ سے، زیادہ منظم ہونے کی وجہ سے، زیادہ ہتھیار رکھنے کی وجہ سے اور تعداد میں بھی زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ دشمن کو زیادہ مار لیتے ہیں اور قبائلی لشکر چونکہ چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور ان کے پاس سامان بھی بہت کم ہوتا ہے اس لئے وہ ان کا پوری طرح مقابلہ نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کی لڑائیاں جو ایرانی اور رومی حکومتوں سے ہوئیں درحقیقت ایسی ہی تھیں جیسے آجکل قبائلی لشکروں کی انگریزوں سے لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف وہ عظیم الشان اور منظم حکومتیں تھیں جن کے قبضہ میں دنیا کا تمام سرسبز و شاداب علاقہ تھا، جن کا دنیا کی تمام پیداوار پر قبضہ تھا، جن کے ماتحت ممالک کے صنعت و حرفت کے مرکز تھے، جو جنگی قومیں کہلاتی تھیں اور جن کے نوجوان پندرہ پندرہ سولہ سولہ سال کی عمر سے ہی فوج میں ملازم ہو جاتے اور دن رات چھاؤنیوں میں فنونِ جنگ سیکھتے رہتے تھے اور باقاعدہ تنخواہ دار ملازم تھے۔

ان قوموں اور حکومتوں کے مقابلہ میں مسلمان آئے مگر باوجود اس کے کہ وہ تعداد میں بہت کم تھے، فنون جنگ سے پوری طرح آشنا نہ ہوتے تھے، سامان اور اسلحہ ان کے پاس بہت تھوڑا ہوتا تھا پھر بھی مسلمان بہت کم مارے جاتے تھے اور ان کے دشمن بہت زیادہ مارے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ایک مسلمان کے مقابلہ میں دس دس، بیس بیس، پچاس پچاس، سَو سَو سیکھے ہوئے سپاہی آئے مگر نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا رہا کہ وہ ماہر اور فنون جنگ سیکھے ہوئے سپاہی مارے جاتے تھے اور مسلمان نہیں مرتے تھے حالانکہ ان کے پاس اپنی حفاظت کے کوئی سامان نہیں ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ وہ سامانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان کو پھینک دیتے تھے۔ حضرت ضرارؓ کا ایک مشہور واقعہ تاریخوں میں آتا ہے کہ ایک جنگ میں ایک عیسائی دشمن مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلا اور اس نے یکے بعد دیگرے دو چار مسلمانوں کو مار ڈالا۔ وہ شخص فنون جنگ کا ماہر اور دشمنوں میں بہت بہادر سمجھا جاتا تھا۔ جب دو چار مسلمان اس کے مقابلہ میں آکر شہید ہوگئے تو حضرت ضرارؓ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے مگر جب وہ اس کے سامنے گئے تو کھڑے ہوتے ہی گھبرا کر اپنے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے۔ صحابہؓ کہتے ہیں اس وقت ہمیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے ہماری ناک کٹ گئی ہے اور ہم نے اپنے دلوں میں سخت ذلت محسوس کی کہ ضرارؓ جسے ہم اتنا بہادر اور دلیر سمجھتے تھے وہ کیسا بزدل نکلا کہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے ہی وہاں سے بھاگ آیا اور تیزی سے اپنے خیمہ کی طرف چلا گیا۔ ان کے ایک دوست تھے انہوں نے جب ضرار کو اس طرح دوڑتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے خیمہ کی طرف گئے۔ جب وہ قریب پہنچے تو حضرت ضرارؓ پھر خیمہ سے باہر نکل رہے تھے۔ اس نے ضرارؓ سے مخاطب ہو کر کہا ضرارؓ آج تم نے یہ کیا کیا۔ تمہارے جیسے آدمی سے ہم یہ امید نہیں کر سکتے تھے کہ تم میدان جنگ سے اس طرح بھاگ آؤ گے۔ تمہارے اس فعل کے نتیجہ میں مسلمان اپنے دلوں میں سخت ذلت محسوس کر رہے ہیں اور وہ حیران ہیں کہ تم نے یہ کیا حرکت کی۔ ضرارؓ نے کہا میرے دوست تم نہیں جانتے کہ واقعہ کیا ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مَیں اس عیسائی جرنیل کے مقابلہ میں نکلا اور اس کے سامنے کھڑا ہوا تو مجھے یاد آیا کہ مَیں نے زرہ پہنی ہوئی ہے اس وقت مجھے خیال آیا کہ اے ضرارؓ! کیا تُو

خدا تعالیٰ کے پاس جانے اور اس سے ملنے سے اتنا گھبراتا ہے کہ تُونے زرہ پہن رکھی ہے اور تُو ڈرتا ہے کہ کہیں مَیں مارا نہ جاؤں۔ پس مَیں نے خیال کیا کہ اگر مَیں اسی حالت میں مر گیا تو مَیں خدا تعالیٰ کی جنت میں داخل ہونے کے قابل نہیں رہوں گا اور مَیں خدا تعالیٰ کو کیا مُنہ دکھاؤں گا کہ مَیں نے اس ڈر سے کہ کہیں مجھے موت نہ آ جائے لڑتے وقت زرہ پہن لی تھی چنانچہ مَیں دوڑ کر اپنے خیمہ کی طرف گیا تاکہ مَیں زرہ کو اتار دوں اور ننگے بدن لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دے دوں۔ اب دیکھو یہ ایک حفاظت کا سامان تھا جو اس صحابی کو میسر تھا اور خدا تعالیٰ نے بھی اجازت دی ہوئی ہے کہ حفاظت کے سامانوں سے مومن کو کام لینا چاہئے مگر اس صحابی نے اس وقت اس سامان سے فائدہ نہ اٹھایا اور سمجھا کہ ہم اس وقت ایک ایسے میدان میں ہیں جو تقدیر کا میدان ہے۔ اگر ہم اس تقدیر کے میدان میں ظاہری سامانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ چنانچہ وہ بغیر زرہ کے لڑے اور انہوں نے اپنے دشمن کو مار لیا۔

تو مسلمانوں کا طریق یہ بتاتا ہے کہ وہ بعض دفعہ ظاہری سامانوں کو استعمال نہیں کرتے تھے اور نہ صرف سامانوں کو استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اس وجہ سے ان کو پھینک دیتے تھے کہ یہ تقدیری میدان ہے تدبیری میدان نہیں۔ پس جب تقدیری میدان آئے تو اس وقت سامانوں کو نظر انداز کر دینا جائز ہوتا ہے اور نہ صرف جائز ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ الٰہی حکم کے ماتحت ان سامانوں کو نظر انداز کر دینا ضروری ہوتا ہے اور اگر انسان ان سامانوں کو استعمال کرے تو وہ بے ایمان ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ سامانوں کو استعمال کرنا ناجائز تو نہیں ہوتا۔ مگر ان سامانوں کو زیادہ اہمیت دینا ناجائز ہوتا ہے اور جو لوگ ان سامانوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کو ٹھکرانے والے قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ تقدیر کے میدان میں تدبیر سے کام لینا چاہتے ہیں اور تقدیر کے مقابلہ میں بھلا تدبیر انسان کو کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اگر تم مضبوط قلعوں اور بڑے بڑے پختہ محلّات کے اندر بھی بیٹھے ہوئے ہو تب بھی اس زمانہ میں جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے موت کا فیصلہ کر دیا ہے اسے بہر حال موت کا شکار ہونا پڑے گا اور مضبوط قلعے پختہ محلات اسے موت سے محفوظ نہیں

رکھ سکتے۔2 بعض لوگوں نے غلطی سے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موت اور حیات تقدیری چیزیں ہیں جنہیں بدلا نہیں جاسکتا حالانکہ اس آیت سے یہ مراد نہیں بلکہ یہ اسی زمانہ کے متعلق ہے جب خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص تقدیر جاری کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ سے کہتا ہے تو بے شک بے سامان ہے، تیرے پاس ہتھیار نہیں، تیرے پاس فوجیں نہیں، تیرے پاس دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے کوئی ظاہری طاقت اور جتّھا نہیں مگر ہم تجھے کہتے ہیں کہ تُو بے سامان ہونے کی حالت میں ہی دشمن کے مقابلہ کے لئے نکل تاکہ ہم اپنی قدرت کا نشان دکھائیں کہ کس طرح ہم بے سامانوں کو سازو سامان اور بڑے بڑے جتھے رکھنے والوں پر غالب کر دیا کرتے ہیں اور کس طرح کم تعداد والوں کے مقابلہ میں بڑے بڑے لشکروں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے صحابہؓ نے بے شک سامان استعمال کئے اور بے شک انہیں اجازت تھی کہ جن لوگوں کو گھوڑے میسر آسکتے ہیں وہ گھوڑے لے لیں۔ جو تلواریں اور نیزے خرید سکتے ہیں وہ تلواریں اور نیزے خرید لیں مگر ان سامانوں پر انحصار رکھنے کی انہیں اجازت نہیں تھی۔ اگر کسی کو کوئی سامان مل جاتا تو وہ لے لیتا اور اگر نہ ملتا تو بغیر سامانوں کے ہی میدان جنگ کی طرف روانہ ہو جاتا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی کے ہمسایہ کے مکان کو آگ لگ جائے تو ایسی صورت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہی لوگ آکر آگ بجھائیں جو با قاعدہ اس فن کو سیکھ چکے ہوں بلکہ ہر شخص آگ بجھانے کے لئے دوڑ پڑے گا خواہ اسے آگ بجھانے کا طریق آتا ہو یا نہ آتا ہو حالانکہ آگ بجھانا بھی ایک فن ہے جو سیکھے بغیر صحیح طور پر نہیں آتا۔ جو لوگ یہ فن سیکھتے ہیں انہیں بتایا جاتا ہے کہ کسی جگہ آگ لگ جائے تو اسے کس طرح بجھانا چاہیئے، کس قسم کی آگ پر پانی ڈالنا چاہیئے اور کس قسم کی آگ پر مٹی ڈالنی چاہیئے۔ پھر جو لوگ یہ ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے سروں پر ایسے وقت میں خود ہوتے ہیں تاکہ سر کے بال جلنے کی وجہ سے وہ گھبرا کر وہاں سے بھاگ نہ جائیں۔ اسی طرح انہیں پمپ مہیا کئے جاتے ہیں اور وہ سارے سامان انہیں دیئے جاتے ہیں جن کا آگ بجھانے کے لئے پاس ہونا ضروری ہوتا ہے مگر جب تمہارے کسی ہمسایہ کے مکان کو آگ لگ جائے اور خدا تعالیٰ کی تقدیر کے ظہور کا وقت آجائے تو کیا تم اس وقت یہ کہہ کر بری ہو جاؤ گے کہ ہم اس آگ کو کس طرح بجھائیں، ہم کوئی

فائر بریگیڈ کے سپاہی ہیں۔ ہمارے پاس نہ خَود ہیں، نہ ویسا لباس ہے، نہ پمپ ہیں، نہ ہمیں آگ بجھانے کا فن آتا ہے۔ پھر ہم اس آگ کو بجھانے کے لئے آگے بڑھیں تو کس طرح بڑھیں؟ تم ہزار دلائل دو اس وقت تمہاری کسی بات کو معقول نہیں سمجھا جائے گا اور تمہیں یہی کہا جائے گا کہ اب خدا کی ایک تقدیر ظاہر ہو چکی ہے تمہیں یہ فن آتا ہے یا نہیں آتا۔ تمہارا فرض ہے کہ آگے بڑھو اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس آگ پر قابو پاؤ۔ بے شک اگر اس وقت فائر بریگیڈ میسر آسکتا ہے تو تم فائر بریگیڈ منگوالو۔ بے شک اگر آگ بجھانے کا فن سیکھنے کا تمہیں اس سے پہلے کوئی موقع ملے تو تمہیں چاہئے کہ تم اس فن کو سیکھ لو لیکن اگر آگ لگ جائے تو اس وقت ہر شخص کا خواہ اس کے پاس آگ کو برداشت کرنے والا لباس ہے یا نہیں خواہ اسے آگ بجھانے کا فن آتا ہے یا نہیں، فرض ہوگا کہ وہ جائے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آگ کو بجھائے۔

اسی طرح زمیندار اپنی زمینوں کے لئے لڑتے ہیں اور بسا اوقات ان لڑائیوں میں ان کے کئی کئی آدمی مارے جاتے ہیں۔ معمولی سی بَٹ کا سوال ہوتا ہے۔ صرف اتنا اختلاف ہوتا ہے کہ منڈیر اِدھر رکھنی ہے یا اُدھر مگر زمیندار کلہاڑیاں اور چھوّیاں اور دوسرے سامان جو انہیں میسر ہوتے ہیں لے کر آجاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے دشمن کو مار لیا تب بھی ہم پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں گے۔ کیونکہ ایک منظم گورنمنٹ موجود ہے اور اگر دشمن نے ہمیں مار لیا تب بھی ہم زندہ واپس نہیں جاسکتے۔ گویا دونوں صورتوں میں انہیں اپنے سامنے موت دکھائی دیتی ہے مگر باوجود اس بات کے جاننے کے کہ یا تو ہم دشمن کے ہاتھ سے مارے جائیں گے یا گورنمنٹ ہمیں پھانسی دے دے گی پھر بھی وہ پرواہ نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک قیمتی چیز (جو ان کے نزدیک قیمتی ہے) خطرہ میں ہے۔ اب ہمیں اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ یہ وہ منڈیر کی قیمت ہے جو ایک زمیندار کی نظر میں ہوتی ہے۔ پھر کیا ہمارے ملک کی قیمت ایک منڈیر کے برابر بھی نہیں کہ اس کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرنے سے ہمارے دلوں میں ہچکچاہٹ پیدا ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کتنے ہی زمیندار ہیں جو ایک منڈیر پر لڑ مرتے ہیں اور اگر کوئی زمیندار منڈیر پر نہیں لڑے گا۔ تو جب وہ دیکھے گا کہ اس کی ایک مرلہ زمین پر کوئی اَور شخص قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اس وقت وہ چپ نہیں رہے گا اور لڑنے

مرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص ایک مرلہ زمین کے چلے جانے پر خاموش رہے گا۔ تو اگر اس کی ایک کنال زمین کوئی شخص چھیننے کی کوشش کرے گا تو اس وقت وہ خاموش نہیں رہے گا اور اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پھر کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایک کنال زمین کا نقصان تو برداشت کر لیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ان کے کھیت پر قبضہ کرنا چاہے تو پھر وہ خاموش نہیں رہتے اور مقابلہ پر اتر آتے ہیں۔ بہرحال تمہیں کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا سوائے اس کے جو فاتر العقل ہو کہ اس کی ساری زمین لوگ چھین کر لے جائیں اور وہ چپ کر کے بیٹھا رہے پھر کیسی حیرت کا مقام ہے کہ لوگ اپنی زمین کی حفاظت کے لئے تو اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جانیں دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اگر لوگ مارے جاتے ہیں تو مارے جائیں۔ دشمن ہمارے ملک کو چھیننا چاہتا ہے تو بے شک چھین لے۔

مَیں نے جیسا کہ پچھلے خطبات میں بھی توجہ دلائی ہے۔ کئی لوگ بہانے بناتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو دنیوی لڑائی ہے اس میں ہم کیوں حصہ لیں۔ اسی لئے مَیں نے دنیوی مثالیں پیش کی ہیں۔ کیا منڈیر کی لڑائی دنیوی لڑائی نہیں ہوتی۔ کیا ایک مرلہ زمین کے لئے لڑائی دنیوی لڑائی نہیں ہوتی، کیا ایک کنال زمین کے لئے لڑائی دنیوی لڑائی نہیں ہوتی۔ پھر یہ مثالیں تو الگ رہیں۔ ہم جانتے ہیں زمینداروں میں بعض دفعہ ڈولوں پر لڑائی ہو جاتی ہے۔ ایک کہتا ہے مَیں نے پہلے ڈول نکالنا ہے اور دوسرا کہتا ہے مَیں نے نکالنا ہے اور اسی پر ان میں لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی الگ رہی بعض دفعہ صرف اس لئے لڑائی ہو جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں مجلس میں گئے تھے۔ انہوں نے ہمیں اپنی مجلس میں بیٹھنے نہیں دیا۔ اسی طرح بعض دفعہ معمولی معمولی طعنوں پر لڑائی اور خونریزی ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ ہنسی اور مذاق ناگوار صورت اختیار کر لیتا ہے اور لوگ آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ جب وجہ دریافت کی جاتی ہے تو بتایا جاتا ہے کہ فلاں نے یہ مذاق کیا تھا حالانکہ وہ مذاق معمولی سا ہوتا ہے۔ کوئی بری بات اس میں نہیں ہوتی جب دنیوی معاملات میں لوگ اس طرح اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ تو اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جان دینے سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو جاہل ہو اور وہ جانتا

ہی نہ ہو کہ اس غفلت کے کیا نتائج ہوا کرتے ہیں۔ یہی چیز تھی جس نے ہندوستان کو انگریزوں کا غلام بنا دیا۔ جس وقت انگریز ہندوستان میں آئے ہیں ان کی تعداد دو چار سَو سے زیادہ نہیں تھی۔ ایک ہندوستانی تو شرم کے مارے زمین میں گڑ جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ دو چار سَو آدمی چھ ہزار میل سے آئے اور انہوں نے 33 کروڑ آبادی رکھنے والے ملک کو فتح کر لیا۔ یہ اسی بے حیائی کا نتیجہ تھا جو اس وقت ہندوستانیوں میں عام طور پر پائی جاتی تھی کہ یہاں لڑائیاں ہوئیں تو انہوں نے سمجھا یہ تو بمبئی میں لڑائی ہو رہی ہے۔ ہمیں اس سے کیا یا وہ تو بنگال میں لڑائی ہو رہی ہے۔ ہمیں اس سے کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ تمام ہندوستان ان کے قبضہ سے نکل گیا۔ آج وہ شور مچاتے ہیں کہ انگریزوں نے ان پر بڑا ظلم کیا لیکن اپنی بے حیائی اور بے غیرتی کا ان کو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔

جب وہ اس قدر بے غیرت بن چکے تھے تو اگر انگریز اس ملک پر قبضہ نہ کرتے تو فرانسیسی کر لیتے، فرانسیسی نہ کرتے تو پرتگیز کر لیتے۔ جو لوگ ایسے بے غیرت ہو جائیں کہ ان کے دلوں میں اپنے ملک کے جانے کا ذرا بھی احساس نہ رہے۔ انہوں نے تو بہرحال دوسروں کا غلام بننا تھا۔ ایک نہ آتا دوسرا آ جاتا، وہ نہ آتا تو تیسرا آ جاتا۔ دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کسی ملک میں ایسی مثال ملتی ہو کہ چند سو آدمی اس ملک میں گئے ہوں اور انہوں نے 33 کروڑ باشندوں پر غلبہ پا لیا ہو۔ مَیں تو جب بھی ہندوستان کی پرانی تاریخ پڑھتا ہوں پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگ کیسے بزدل اور کم ہمت تھے کہ انہوں نے 33 کروڑ ہوتے ہوئے چند سَو لوگوں کو اپنے اوپر غالب آنے کا موقع دے دیا۔ پھر ان میں بے غیرتی یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ ہمارے خاندان کی مسلمان بادشاہوں سے جو خط و کتابت ہوتی رہی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ہمارے پردادا بادشاہِ وقت کو دہلی میں برابر توجہ دلاتے رہے کہ پنجاب میں سکّھوں کا زور بڑھ رہا ہے ہم ان کا مقابلہ تو کر رہے ہیں مگر ہماری چھوٹی سی ریاست ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ مرکز سے فوج بھیجیں تاکہ سکھوں کا مقابلہ کیا جائے اور پنجاب کو جو خطرہ لاحق ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ مجھے حیرت آتی ہے اس زمانہ کے بادشاہوں کی بے غیرتی پر، مجھے حیرت آتی ہے اس زمانہ کے بادشاہوں کی بے حسی پر، اور مجھے حیرت آتی ہے ان کی بے توجہی

اور لاپروائی پر کہ ایک نہیں دو نہیں متواتر چار بادشاہوں کو خطوط لکھے جاتے رہے اور ہمارے آباء انہیں توجہ دلاتے رہے کہ سکھوں کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی جائے مگر جیسا کہ ان خطوں سے ظاہر ہے وہ ہر خط کا یہی جواب دے دیتے کہ آپ کا خط پہنچا ہم بڑے خوش ہیں کہ آپ اپنے ملک میں سکھوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارا ابھی ارادہ ہے کہ ہم کسی وقت پنجاب کی طرف آئیں اور اس فتنہ کا مقابلہ کریں مگر وہ چاروں بادشاہ یہ ارادہ کرتے کرتے ہی مر گئے۔ ان چار بادشاہوں میں سے محمد شاہ، احمد شاہ اور شاہ عالم کے نام مجھے اس وقت یاد ہیں۔ چوتھے بادشاہ کا نام یاد نہیں رہا۔ یہ چاروں بادشاہ یہی کہتے رہے کہ ہمارا ارادہ ہے ہم پنجاب میں آئیں اور ایک نے تو لکھا کہ مَیں وزیر آباد میں آنے والا ہوں۔ جب وزیر آباد میں آیا تو اس علاقہ کی طرف بھی آؤں گا مگر وہ بھی نہ آیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ملک ان کے ہاتھ سے نکل گیا، عزت برباد ہو گئی اور مسلمانوں کی حکومت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ یہ بے غیرتی اور بے حسی کی انتہا نہیں تو اَور کیا ہے کہ چار بادشاہ ارادہ ہی کرتے رہے کہ وہ کسی وقت پنجاب کی طرف آئیں گے مگر ایک بادشاہ نے بھی اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنایا۔ یہ بے حسی اور ملکی امور سے بے توجہی ہی تھی جس نے مسلمانوں کو برباد کیا اگر اس گری ہوئی حالت میں بھی مسلمان قربانی سے کام لیتے اور بے غیرتی کا بدترین نمونہ نہ دکھاتے تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ پنجاب یا بنگال میں اپنا قدم بھی رکھ سکتا کیونکہ جو لوگ مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ بے حِسیاں ہی ہیں جو ملکوں کو غلام بناتی ہیں اور یہ بے حسیاں ہی ہیں جو ملکوں کو تباہ و برباد کر دیا کرتی ہیں۔ پس میرے نزدیک ہندوستان پر قبضہ کرنے کا الزام انگریزوں پر لگانا کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا۔ یہ الزام خود ہندوستانیوں پر عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے بے غیرتی سے کام لیا اور بجائے قربانی سے کام لینے کے غلام بننا منظور کر لیا۔ ہندوستان اس وقت ایک گرا ہوا شکار تھا اور ایسے شکار پر قبضہ کر لینا اسلام نے جائز رکھا ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ سے کسی شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر کوئی اونٹ جنگل میں آوارہ پھر رہا ہو تو آیا مَیں اس پر قبضہ کر لوں۔ آپ نے فرمایا تیرا اونٹ سے کیا کام؟ اس کی خوراک درختوں پر ہے، اس کا پانی اس کے پاس ہے۔ (اونٹ کے اندر ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں پانی جمع رہتا ہے) تیرا اس

اونٹ سے کیا واسطہ اور تُو کون ہے کہ اس پر قبضہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ دوسرے شخص نے کہا یا رسول اللہ اگر جنگل میں مجھے کوئی آوارہ بکری مل جائے تو کیا مَیں اسے لے لوں۔ آپؐ نے فرمایا تُو اسے لے جا کیونکہ اگر تُو نے اسے نہ لیا تو کوئی بھیڑیا اسے کھا جائے گا۔[3] تو دیکھو رسول کریم ﷺ نے آوارہ اونٹ پر قبضہ کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اونٹ جنگل میں زندہ رہ سکتا ہے اور مالک کا حق ہے کہ اس کا انتظار کیا جائے لیکن آوارہ بکری کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس پر بے شک قبضہ کر لیا جائے کیونکہ اگر قبضہ نہیں کیا جائے تو بھیڑیا اسے کھا جائے گا۔ اگر ہندوستان میں بھی اونٹ جتنی طاقت ہوتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس پر قبضہ کرتا مگر جب وہ بکری بن گیا تو محمد ﷺ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو چاہے اسے لے لے۔ پس اگر ہندوستان کو انگریز نہ لیتے تو پرتگیز لے لیتے، پرتگیز نہ لیتے تو فرانسیسی لے لیتے، وہ نہ لیتے تو افغانستان اس پر قبضہ کر لیتا۔ افغانستان قبضہ نہ کرتا تو روس ہندوستان کو لے لیتا۔ بہر حال جس ملک میں اتنا شقاق ہو، اتنا فساد ہو، اتنی لڑائیاں ہوں، اتنی بے غیرتی ہو، اتنی بے حسی ہو، اتنی جہالت ہو، اتنی بزدلی ہو، اتنی دون ہمتی ہو اور اس قدر علم سے دوری ہو وہ ملک کبھی آزاد نہیں رہ سکتا تھا اور کوئی نہ کوئی اسے ضرور غلام بنا لیتا جیسے مَیں نے بتایا ہے کہ عوام کا تو کیا ذکر ہے اس ملک کے بادشاہوں کی یہ حالت تھی کہ چار بادشاہوں کو برابر ہمارے آباء توجہ دلاتے رہے کہ پنجاب کی حالت خراب ہو رہی ہے ہم لڑ رہے ہیں مگر ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ اس فتنے کا کامیاب مقابلہ کر سکیں، ہماری امداد کے لئے مرکز سے فوج بھیجی جائے اور وہ چاروں بادشاہ یہ جواب دیتے ہیں کہ شاباش تم خوب مقابلہ کر رہے ہو۔ ہم بھی آنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی پنجاب میں نہیں آتا۔ یہاں تک کہ چاروں بادشاہ فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ بے حسی کا ہی نتیجہ تھا ورنہ جن لوگوں میں حِس اور غیرت ہوتی ہے وہ اَور نہیں تو کم سے کم عزت سے جان دے دیتے ہیں اور ذلت کی زندگی برداشت نہیں کر سکتے مگر مسلمانوں نے اپنی بے حِسی کی وجہ سے سکھوں کے حملہ کو معمولی سمجھا اور اس کے ازالہ کے لئے کوئی کوشش نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام شان و شوکت جو انہیں حاصل تھی جاتی رہی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پردادا کا ہی واقعہ ہے کہ ایک سکھ رئیس ان سے

ملنے کے لئے آیا اور اس نے آکر کہا کہ مرزا صاحب کو اطلاع دی جائے کہ مَیں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے خود یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اس وقت کوٹھے پر تھے جب انہیں اطلاع ہوئی تو وہ ملاقات کے لئے نیچے اترے، پیچھے پیچھے وہ تھے اور آگے آگے ان کے بیٹے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا تھے۔ گویا بیٹا پہلے اتر رہا تھا اور ان کے پیچھے ان کے والد چلے آ رہے تھے جو بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں حتّٰی کہ مَیں نے خود سکھوں سے سنا ہے کہ لڑائی میں انہیں گولی ماری جاتی تھی تو گولی ان پر اثر نہیں کرتی تھی۔ جب وہ نصف سیڑھیوں پر پہنچے تو نیچے سے انہیں آواز آئی سکھ رئیس ان کے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا واہ گوروجی کا خالصہ اس پر ان کے بیٹے نے بھی اسی رنگ میں جواب دے دیا کہ واہ گوروجی کا خالصہ۔ انہوں نے جب اپنے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے وہیں سیڑھیوں سے واپس لوٹ گئے اور فرمانے لگے سردار صاحب سے کہہ دو کہ میری طبیعت خراب ہو گئی ہے مَیں ان سے مل نہیں سکتا۔ پھر اپنے بیٹے کا ذکر کر کے فرمانے لگے کہ اس کے زمانہ میں ہماری ریاست جاتی رہے گی کیونکہ جس شخص کے اندر اتنی بے غیرتی پیدا ہو گئی ہے کہ اس نے اسلامی شعار کو اختیار نہیں کیا اور جب ایک سکھ نے واہ گوروجی کا خالصہ کہا تو اس نے بھی واہ گوروجی کا خالصہ کہہ دیا وہ ریاست کو کبھی سنبھال نہیں سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اب دیکھو ان کے اندر غیرت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اتنے فقرہ کو بھی برداشت نہ کیا مگر دلّی کے بادشاہ متواتر چٹھیوں کے جواب میں یہی لکھتے چلے گئے کہ شاباش تم خوب کام کر رہے ہو، ہم بھی آنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر کسی کو اتنی توفیق نہ ملی کہ اپنے اس ارادہ کو پورا کر کے دکھاتا۔

تو یہ حالت جب بھی کسی قوم میں پیدا ہو جاتی ہے وہ ذلیل ہو جاتی ہے، اس کی عزت مٹ جاتی ہے، اس کا غلبہ جاتا رہتا ہے اور وہ تمام دنیا کی نگاہ میں حقیر ہو جاتی ہے لیکن جب کسی قوم میں غیرت پائی جاتی ہو تو وہ اس قسم کی ذلت کو بھی کبھی برداشت نہیں کیا کرتی۔ صحابہؓ کو دیکھو ان میں کس قسم کا جوش پایا جاتا تھا اور یہ جوش صرف مردوں میں ہی نہیں تھا بلکہ عورتوں

میں بھی پایا جاتا تھا۔ مجھے ہمیشہ ہی ان کے اخلاص اور جوش کی مثال میں خنساء کا واقعہ یاد آیا کرتا ہے۔ ایران کی ایک جنگ میں مسلمانوں پر ایرانیوں نے ہاتھیوں سے حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ مسلمانوں کی جس قدر کفار سے لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں سے یہ پہلی لڑائی تھی جس میں مسلمان زیادہ مارے گئے۔ مَیں نے ابھی کہا تھا کہ لڑائیوں میں مسلمان اکثر محفوظ رہتے تھے اور اب مَیں نے کہا ہے کہ اس لڑائی میں مسلمان زیادہ مارے گئے۔ بظاہر یہ اختلاف نظر آتا ہے لیکن در حقیقت کوئی اختلاف نہیں کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ کفار کے مقابلہ میں کثرت سے مسلمان محفوظ رہتے تھے اور ان میں سے بہت کم شہید ہوتے تھے لیکن شاذ و نادر کے طور پر کسی جنگ میں مسلمانوں کو بھی زیادہ نقصان ہوا ہے۔ گو یہ نقصان مجموعی طور پر دیکھیں تو کفار کے مقابلہ میں پھر بھی کم ہوا کرتا تھا۔ بہر حال اس جنگ میں مسلمانوں کو بڑا بھاری نقصان پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس جنگ کی خبروں کو سنا تو آپ گھبرا کر اس بات پر تیار ہو گئے کہ خود لڑائی کے میدان میں پہنچ کر لشکر کی کمان کریں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو روکا اور کہا کہ خلیفہ کے لئے لڑائی کے میدان میں جانا درست نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ لڑائی پر چلے گئے تو لوگوں کو ہدایات کون دے گا۔ چنانچہ اس مشورہ پر حضرت عمرؓ نے لڑائی میں شامل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا ورنہ گھبراہٹ میں آپ خود اس جنگ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

اس جنگ کے بعد صحابہ نے دوبارہ اپنی طاقت کو جمع کیا اور ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے مگر اس وقت بھی یہ حالت تھی کہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد صرف 15 ہزار تھی اور ایرانیوں کے لشکر کی تعداد جن کا سپہ سالار رستم تھا ایک لاکھ تھی۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے چونکہ حملہ کے وقت ہاتھیوں کو استعمال کیا تھا اس لئے مسلمان ہاتھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان میں سے اکثر مارے گئے۔ جیسے موجودہ جنگ میں بھی جاپانیوں نے برما میں ہاتھیوں کے ذریعے حملے کئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدمیوں اور گھوڑوں کے لئے ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ پھر ایرانیوں کو یہ بھی فضیلت تھی کہ وہ تنخواہ دار سپاہی تھے اور ساری عمر چھاؤنیوں میں وہ ٹریننگ حاصل کرتے رہے تھے۔ اسی طرح ان کے پاس سامان نہایت اعلیٰ

درجہ کے تھے۔ غرض اس رنگ کی انہیں کئی فضیلتیں حاصل تھیں۔ ادھر مسلمانوں کا لشکر صرف 15 ہزار تھا اور دشمن کا لشکر ایک لاکھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جنگ کی خبریں سن کر جلدی سے ایک آدمی شام کی طرف بھجوا دیا کہ وہاں جس لشکر کو روانہ کیا گیا ہے اس کا ایک حصہ ایران بھیج دیا جائے مگر وہاں سے بھی صرف 3 ہزار کے قریب سپاہی مل سکے۔ غرض مسلمانوں اور ایرانیوں میں شدید جنگ ہوئی اور متواتر دو دن تک ہوتی رہی تیسرے دن جنگ کا پہلو ایسا رنگ اختیار کر گیا کہ مسلمانوں نے سمجھ لیا اگر آج ہمیں فتح حاصل نہ ہوئی تو دشمن اپنی پوری طاقت سے مدینہ کی طرف بڑھنا شروع کر دے گا چنانچہ رات کو بڑے بڑے مسلمان بہادر اکٹھے ہوئے اور انہوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم مر جائیں گے مگر دشمن کو مدینہ کی طرف بڑھنے نہیں دیں گے۔ اسی طرح بعضوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم صرف ہاتھیوں کا مقابلہ کریں گے اور یا انہیں مار دیں گے یا خود مر جائیں گے۔ چنانچہ ایک پارٹی نے اقرار کیا کہ ہم صرف ہاتھیوں کا مقابلہ کریں گے، ایک مر جائے گا تو دوسرا اس کی جگہ لے لے گا، دوسرا مر جائے گا تو تیسرا اس کی جگہ لے لے گا۔ غرض اس رات کئی بہادروں کی پارٹیاں بنیں اور وہ آپس میں جنگ کے متعلق مشورے کرتے رہے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کرتے رہے کہ ہم مر جائیں گے مگر دشمن کو آگے بڑھنے نہیں دیں گے۔ عین اسی وقت جہاں اور مسلمان بہادروں کی پارٹیاں اپنی اپنی مجالس میں اسلام کی برتری اور اس کی فوقیت کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا اقرار کر رہی تھیں وہاں ایک مجلس خنساء کے گھر میں بھی ہو رہی تھی۔ خنساء ایک بیوہ عورت تھی جس کی زندگی نہایت ہی تلخی میں گزری تھی۔ اس کا خاوند بہت بڑا شرابی اور جوئے باز تھا اور گو اس کے پاس بہت بڑی جائداد تھی مگر رفتہ رفتہ اس نے تمام جائداد جوئے اور شراب میں لٹا دی۔ جب اس کے حالات بہت خراب ہو گئے اور کھانے پینے کے لئے اس کے پاس کوئی پیسہ نہ رہا تو اس کی بیوی خنساء نے اس سے کہا چلو مَیں تمہیں اپنے بھائی کے پاس لے چلتی ہوں اور اس سے کچھ روپیہ مانگ کر لاتی ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم ان برے کاموں سے توبہ کرو اور اقرار کرو کہ آئندہ شراب اور جوئے کے قریب نہیں جاؤ گے۔ اس نے اقرار کیا اَور وہ اسے اپنے بھائی کے پاس لے گئی۔ بھائی نے اپنی بہن کو دیکھ کر اس کا بڑا احترام کیا

اور اس کے آنے کی خوشی میں چالیس دن تک لوگوں کو دعوتیں دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے رؤساء کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ تم انصاف کے ساتھ میرے تمام مال میں سے آدھا مجھے دے دو اور آدھا میری بہن کو دے دو حالانکہ اس کی بہن اپنا حصہ لے چکی تھی انہوں نے ایسا ہی کیا اوراس کی بہن آدھا مال لے کر واپس آ گئی۔ سال ڈیڑھ سال تو خاوند نے جوئے اور شراب کی طرف توجہ نہ کی مگر اس کے بعد پھر وہ ہر وقت شراب میں مست رہنے لگا اور جوا بھی اس نے شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر تمام مال تباہ و برباد ہو گیا۔ جب پھر اسے فاقے آنے شروع ہوئے تو چاٹ تو اسے پڑ ہی چکی تھی اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ چلو تمہارے بھائی کے پاس چلیں تم اس سے پھر مدد طلب کرو۔ وہ کہنے لگی مجھے تو شرم آتی ہے مگر خیر تم جو کہتے ہو تو مَیں چلتی ہوں اور مَیں امید کرتی ہوں کہ میرا بھائی مجھ سے حسن سلوک ہی کرے گا۔ چنانچہ وہ پھر اپنے بھائی کے پاس گئی۔ اس کے بھائی نے پہلے سے بھی زیادہ اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور پہلے سے زیادہ اس خوشی میں لوگوں کو چالیس دن تک دعوتیں دیں اَور ذرا بھی نہ جتایا کہ ایک دفعہ جو مَیں تمہیں مدد دے چکا ہوں اب اَور مدد کس طرح دوں۔ چالیس دن کے بعد اس نے پھر رؤساء سے کہا کہ میرا جتنا مال ہے وہ انصاف کے ساتھ آدھا آدھا مجھ میں اور میری بہن میں تقسیم کر دیا جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور خنساء پھر یہ مال لے کر واپس آ گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر اس کے خاوند نے شراب اور جوئے میں مال کو ضائع کر دیا اور وہ پھر اپنے خاوند کے کہنے پر اسے ساتھ لے کر تیسری دفعہ مدد کے لئے اپنے بھائی کے پاس آئی۔ اس کے بھائی نے اَور بھی زیادہ عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور چالیس دن تک لوگوں کو دعوتیں دیتا رہا اور پھر رؤساء سے کہا کہ میرا جتنا مال ہے وہ مجھ میں اور میری بہن میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔ اس کی بیوی کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا اور اس نے کہا تجھے اپنی اولاد کا ذرا خیال نہیں تُو ایک شرابی اور جواری کے لئے اپنی تمام جائداد کو لٹا رہا ہے تجھے اپنا اور اپنی اولاد کا بھی تو خیال رکھنا چاہیئے۔ جب بیوی نے اس سے لڑنا شروع کیا تو وہ کہنے لگا تیرا کیا ہے مَیں اگر مر گیا تو تُو اَور خاوند کر لے گی مجھ پر روئے گی تو میری بہن ہی روئے گی اس لئے مَیں اس کی امداد سے رُک نہیں سکتا چنانچہ اس نے پھر اپنی تمام جائداد کا نصف اپنی بہن کو

دے دیا اور اسے نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا خاوند مر گیا اس وقت وہ نوجوان تھی اور اس کے تین بچے تھے مگر اس نے خاوند کے مرنے کے بعد بڑی محنت کے ساتھ ان کو پالا اَور چونکہ اسے اپنے بھائی کا یہ فقرہ بھی پہنچ گیا تھا کہ مجھ پر اگر روئے گی تو میری بہن ہی روئے گی۔ اس لئے جب اس کا بھائی مرا تو اس نے اس دن سے اپنے بھائی کے مرثیے کہنے شروع کر دیئے۔ یہ مرثیے اتنے دردناک ہیں کہ آج تک عربی زبان میں تمام مرثیوں کے سرتاج سمجھے جاتے ہیں اور ان کی زبان ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ آج بھی عربی علم ادب کے شائقین ان مرثیوں کو پڑھتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

خنساء کے ان مرثیوں کا اتنا اثر تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا انسان جو قسم قسم کے کاموں میں مشغول رہتا تھا ان مرثیوں کو سن کر بعض دفعہ محوِ حیرت ہو جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے ایک بھائی جن کا نام غالباً زید تھا وہ ایک جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بڑی محبت تھی اور ہمیشہ اپنے بھائی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دن خنساء ان کے پاس کسی کام کے لئے آئی تو فرمانے لگے خنساء مجھے اپنا کلام سناؤ۔ چنانچہ خنساء نے بعض مرثیے انہیں پڑھ کر سنائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرثیے سن کر فرمایا۔ میرے دل میں کئی دفعہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش مجھے بھی شعر کہنا آتا اور مَیں بھی اپنے بھائی کے ایسے ہی مرثیے کہتا۔ خنساء اس وقت مسلمان ہو چکی تھی اور ایمان اس کے دل میں مضبوطی سے گڑ چکا تھا اس نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگی، عمرؓ آپ نے یہ کیا کہا اگر میرا بھائی اس طرح مارا جاتا جس طرح آپ کا بھائی مارا گیا ہے تو خدا کی قسم مَیں تو کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتی۔ مَیں تو اس لئے مرثیے کہتی ہوں کہ میرا بھائی کفر کی حالت میں مرا اور اس نے میرے ساتھ بڑے بڑے احسان کئے تھے۔ مجھے افسوس آتا ہے کہ اس نے اپنی دنیا میری خاطر برباد کی اور دین اسے نصیب نہ ہوا ورنہ میرا بھائی اگر آپ کے بھائی کی طرح کسی اسلامی جنگ میں شہید ہو کر مرتا تو مَیں تو کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتی۔ تو اس عورت کے گھر میں بھی اس رات مجلس لگی ہوئی تھی اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو بلایا اور کہا اے میرے بیٹو! تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے باپ کا کیا حال تھا۔ انہوں نے کہا اماں ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ اس نے کہا تم کو پتہ ہے کہ تمہارے باپ کے مرنے کے بعد مَیں

نے تمہارے خاندان کی عزت کو قائم رکھا اور ہر قسم کی تکلیفیں اپنے نفس پر برداشت کیں مگر میری عزت پر یا تمہارے خاندان کی عزت پر کوئی حرف نہیں آیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ سب باتیں جانتے ہیں۔ اس نے کہا تم جانتے ہو کہ مَیں نے تمہاری تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ تمہیں ہر قسم کا آرام پہنچانے کی مَیں نے کوشش کی اور تمہاری خاطر مَیں نے کئی قسم کی تکالیف میں اپنے آپ کو ڈالا۔ کیا یہ باتیں صحیح ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا اماں آپ جو کچھ کہتی ہو بالکل درست ہے۔ پھر خنساء نے کہا۔ اے میرے بچو! آج صبح اسلامی لشکر ایک ایسی لڑائی کے لئے جانے والا ہے جس کے نتیجہ میں ایک بہت بڑا نقصان یا بہت بڑا فائدہ اسلام کو پہنچنے والا ہے۔ مَیں تمہیں اپنے ان اعمال کا واسطہ دے کر جو مَیں نے تمہاری تربیت کے لئے کئے اور ان تکالیف کو یاد دلا کر جو مَیں نے تمہاری خاطر برداشت کیں تم سے یہ اقرار لینا چاہتی ہوں کہ تم اس جنگ میں یا مارے جاؤ گے یا فتح پا کر واپس لوٹو گے ورنہ (عرب کے محاورہ کے مطابق اس نے کہا) مَیں نے جو تم پر احسان کیا ہے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری نیک تربیت کی ہے قیامت کے دن نہیں بخشوں گی۔ ان بچوں نے ماں سے وعدہ کیا کہ ماں ایسا ہی ہو گا یا ہم سب مارے جائیں گے یا فتح پا کر واپس لوٹیں گے۔[4] تو دیکھو وہ بھی ایک عورت تھی اور بیوہ عورت تھی جس نے یہ نمونہ دکھایا اس کے تین بچے تھے مگر اس نے تینوں بچوں سے یہ اقرار لے کر میدان جنگ میں بھجوا دیا کہ یا وہ مر جائیں گے یا فتح پا کر لوٹیں گے۔ اس نے اپنی ساری عمر دکھ میں کاٹی تھی اور طبعی طور پر وہ سمجھتی تھی کہ اب اس کے بیٹے کمائیں گے اور وہ آرام سے اپنی زندگی کے آخری دن گزار سکے گی مگر ایسے موقع پر جبکہ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں سے گزر رہی تھی اس نے اپنے تینوں بچوں کو قربان کرنے کے لئے جس جرأت اور دلیری کے ساتھ پیش کر دیا۔ کیا وہ عورت نہیں تھی یا کیا اس کے سینہ میں ماؤں والا دل نہیں تھا۔ اگر ماؤں والا دل اس کے سینے میں نہ ہوتا تو وہ اپنے بچوں کی پرورش اتنی تکالیف میں کس طرح کرتی۔ یہ سب کچھ تھا مگر پھر بھی اس نے بچوں کو قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا، اس کے دل کی اس وقت جو کچھ کیفیت تھی اس کا پتہ اس سے لگ سکتا ہے کہ ادھر اس نے اپنے بچوں کو لڑائی کے میدان میں بھیجا ادھر اکیلی جنگل میں نکل گئی اور بے اختیار سجدے میں گر کر اس نے اللہ تعالیٰ سے

یہ دعا کی کہ اے میرے اللہ! مَیں نے اپنے تینوں بچے جو میری ساری عمر کی پونجی تھے۔ تیرے دین کے لئے قربان ہونے کو بھیج دیئے ہیں۔ اب ان کا کوئی رکھوالا نہیں اور وہ تینوں اس اقرار کے ساتھ گئے ہیں کہ ہم مر جائیں گے یا فتح پا کر واپس لوٹیں گے۔ اے خدا تجھ سے مَیں التجا کرتی ہوں کہ تُو ان کا رکھوالا ہو اور ان کو اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ شام تک لشکر اسلام کو فتح بھی نصیب ہو گئی اور اس کے بچے بھی زندہ میدان جنگ سے واپس آ گئے۔ تو دیکھو وہ ایک عورت تھی مگر اس کے دل میں یقین اور ایمان تھا اور وہ جانتی تھی کہ اگر میرے بچے ذلت سے زندہ رہے تو یہ میرے لئے بھی ذلت کا موجب ہو گا اور ان کے لئے بھی ذلت کا موجب ہو گا لیکن اگر یہ عزت کے ساتھ مر گئے تو یہ مریں گے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں گے اور اگر عزت اور کامیابی اور فتح کے ساتھ واپس آ گئے تب بھی وہ تعریف کے قابل سمجھے جائیں گے۔

غرض یہ قربانی کی روح ہی تھی جس نے مسلمانوں کو دلیر اور بہادر بنا دیا اور جس کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی تقدیر پر خوش تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ نے جنگ میں ہمارے لئے موت مقدر کی ہوئی ہے تو ہم عزت کی موت مریں گے اور اگر فتح مقدر کی ہوئی ہے تو ہم عزت کے ساتھ فتح پا کر واپس لوٹیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ ہر میدان میں ان کا نقصان بہت کم ہوتا تھا اور دشمن کا نقصان بہت زیادہ ہوتا تھا۔ وہ چونکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر پر خوش ہو گئے تھے اس لئے آسمان سے فرشتے ان کی مدد کے لئے نازل کئے جاتے تھے سوائے ان لوگوں کے جن کے لئے شہادت کی موت مقدر ہو چکی تھی اور وہ اس بات میں اتنے بے پرواہ ہو چکے تھے کہ انہیں اپنے عزیز سے عزیز رشتہ دار پر بھی خدا تعالیٰ کی خاطر تلوار چلانے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی۔ مجھے ہمیشہ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس بات کا لطف آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باتوں باتوں میں بدر کی جنگ کا ذکر آ گیا۔ ان کے بڑے لڑکے پہلے کفار کے دین پر تھے اور بدر کی جنگ میں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ بعد میں وہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لے آئے تھے۔ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ ابا جان فلاں موقع پر آپ فلاں پتھر کے پاس سے

گزرے تھے۔ مَیں اس وقت پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مَیں تلوار لے کر حملہ کرنے کے لئے نکلا تو مَیں نے دیکھا کہ آپ جا رہے ہیں۔ مَیں نے اس وقت اپنی تلوار کو میان میں کر لیا اور مَیں نے اپنے دل میں کہا مَیں اپنے باپ پر کس طرح حملہ کروں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیٹا تمہاری قسمت میں ایمان مقدر تھا اس لئے مَیں نے تجھے اس وقت نہیں دیکھا ورنہ مَیں تجھے وہیں مار ڈالتا۔[5] تو وہ لوگ اپنی موت یا اپنے رشتہ داروں کی موت کی کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہاں تقدیر کا سوال ہے اور خدا تعالیٰ کا فیصلہ ایک انقلاب عظیم کے ذریعہ ظاہر ہو چکا ہے اور اس کا منشاء ہے کہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالو۔ پھر خدا جسے چاہے گا بچا لے گا چنانچہ انہوں نے خدائی تقدیر کو سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا اور انہوں نے اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی کہ ان کی جان جاتی ہے یا ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی جانیں جاتی ہیں۔

یہ موقع بھی ایک عظیم الشان انقلاب کا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں بتاتی ہیں کہ زمین اس کی قہری تجلیات سے ہلا دی جائے گی، عذاب پر عذاب آئے گا اور انقلاب پر انقلاب واقع ہو گا یہاں تک کہ انسانی قلوب میں دنیا کی محبت سرد ہو جائے گی اور اس کی جگہ خدا کی محبت لے لے گی۔ آج تم اپنے چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھو۔ کتنے لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔ کتنے ہیں جو اس پر سچا ایمان رکھتے ہیں، کتنے ہیں جو ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں، نمازیں پڑھنا، چلّہ کشیاں کرنا (اور چلّہ کشیوں سے میری مراد پیروں والی چلّہ کشیاں نہیں بلکہ اعتکاف میں بیٹھنا اور مساجد میں ذکر الٰہی کرنا ہے) اسی طرح روزے رکھنا اور صدقہ و خیرات کرنا تو بہت دور کی بات ہے آج جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سینما میں نہ جایا کریں تو انہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کی ماں کی موت کی خبر ان کو دی گئی ہے۔ قسم قسم کی عیاشیاں اور قسم قسم کے تعیّش کے سامان ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور لوگ ان کو چھوڑنا ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے جان دے دینا بلکہ مَیں نے خود کئی لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمیں مر جانا منظور ہے مگر ہم سینما نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ بات ہمارے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے اور ہم اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔ اتنے تعیّش

کے سامانوں کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کرنا اور اسی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا، کیا یہ کوئی معمولی بات ہے۔ جب تک دنیا خدا تعالیٰ کے عذابوں سے ہلا نہیں دی جائے گی اس وقت تک قلوب میں یہ تغیر پیدا نہیں ہو سکتا اور خدا آج کل اسی غرض کے لئے زمین کو ہلا رہا اور بار بار لوگوں کو جھنجوڑ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہمیں بھی بیدار کر رہا ہے تا کہ ہم بھی قربانی کی روح اپنے اندر پیدا کریں اور بزدلی کو ترک کر کے جرأت اور بہادری سے کام لیں۔ پس ہم پر یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اس انقلاب کے ذریعہ ہماری جماعت کے اندر قربانی کی روح پیدا کر رہا ہے۔ ہر احمدی جو اس انقلاب سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ در حقیقت اپنے آپ کو اس جنگ کے لئے تیار کرتا ہے جو روحانی طور پر دوسرے مذاہب سے احمدیت کو پیش آنے والی ہے۔

تم مت سمجھو کہ احمدیت کی فتح اسی طرح ہو گی کہ ایک احمدی یہاں سے ہوا اور ایک وہاں سے۔ یہ تو ویسی ہی جنگ ہے جیسے بڑی جنگ سے پہلے ہر اول دستوں سے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو جایا کرتی ہیں، ان معمولی ہر اول دستوں کی جنگوں کو بڑی جنگ سمجھنا غلطی ہے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب احمدیت کو دوسرے تمام مذاہب کے مقابلہ میں ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ تب دنیا کے مستقبل کا فیصلہ ہو گا اور تب دنیا کو معلوم ہو گا کہ کونسا مذہب اس کی نجات کے لئے ضروری ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ یہ تلوار کی جنگ ہو گی مگر مَیں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ مضبوط دلوں کی جنگ ہو گی اور دلوں کی مضبوطی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک انسان خطرات میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ پس ہر جگہ جہاں کوئی شخص ڈوب رہا ہو وہاں ایک احمدی کو سب سے پہلے کُودنا چاہئے اس لئے بھی کہ وہ مسلمان یا سکھ یا عیسائی یا ہندو اس کا ایک بھائی ہے جس کو بچانا اس کا فرض ہے اور اس لئے بھی کہ اس کے اندر جرأت اور بہادری پیدا ہو۔ ہر جگہ جہاں آگ لگ گئی ہو وہاں ایک احمدی کو اس آگ کے بجھانے کے لئے سب سے پہلے پہنچنا چاہئے۔ اس لئے بھی کہ جس کے گھر کو آگ لگی ہے وہ خواہ مسلمان ہے یا ہندو ہے یا سکھ ہے یا عیسائی ہے، بہر حال اس کا ایک بھائی ہے اور اس لئے بھی کہ اس کے نفس کو آگ میں کودنے کی مشق ہو اور جرأت اور دلیری اس کے اندر پیدا ہو۔ اسی طرح ہر جنگ جو وطن کی حفاظت کے لئے لڑی جائے اس میں ایک احمدی کو سب سے پہلے

شامل ہونا چاہئے اس لئے بھی کہ وطن کا حق ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے جان دی جائے اور اس لئے بھی کہ اس کے اندر جرأت اور بہادری پیدا ہو اور جب شیطان کی جنگ خدا تعالیٰ کی فوج کے ساتھ ہو تو اس وقت وہ اس جنگ میں خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جان کو قربان کرنے والا ہو۔ جو شخص آج اپنے آپ کو اس رنگ میں تیار نہیں کرتا، جو شخص آج اپنے نفس کی اس طرح تربیت نہیں کرتا، جو شخص آج اپنے اندر یہ جرأت اور دلیری پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کل اس پر کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ وہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جائے گا اور اس کی زبان کے دعوے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعت کا اکثر حصہ ایسا ہی ہو گا۔ چنانچہ پچھلے خطبہ کے بعد ہی جب مَیں اپنے گھر گیا تو مجھے نہایت ہی تعجب ہؤا ویسا ہی تعجب جیسے عبد الرحمان بن عوفؓ کو اس وقت ہؤا تھا جب ان کے پہلو میں ایک انصاری لڑکے نے کہنی مار کر کہا تھا کہ چچا وہ ابو جہل کونسا ہے جو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو دکھ دیا کرتا تھا میرا جی چاہتا ہے کہ آج اس کو مار ڈالوں۔[6] مجھے بھی اس روز ویسا ہی تعجب ہؤا۔ مَیں خطبہ کے بعد گھر میں گیا تو ایک لڑکی جو نئی بیاہی ہوئی ہے اور جس کا ابھی رخصتانہ بھی نہیں ہؤا اور جو شہر کی رہنے والی ہے۔ زمینداروں میں سے نہیں جنہیں لڑائی کی عادت ہوتی ہے بلکہ ایک ایسے خاندان میں سے ہے جس میں شاید صدیوں میں بھی کوئی سپاہی نہ ہؤا ہو۔ پھر وہ ایک ایسے شہر کی رہنے والی ہے جو تعیّش اور آرام کے سامانوں کے لحاظ سے ہندوستان میں مشہور ہے، ایسے شہر کی، اس قسم کے خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک ایسی لڑکی جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہے اور جس کا رخصتانہ بھی نہیں ہؤا۔ میرے پاس آئی اور کہنے لگی مَیں نے اپنے ابا کو خط لکھ دیا ہے کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ مَیں حیران ہؤا کہ اس کے ابا تو بوڑھے ہیں اس نے اپنے باپ کو یہ کیا لکھا کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جائیں چنانچہ مَیں نے اس سے کہا۔ بی بی مَیں تمہاری بات کو نہیں سمجھا، تمہارے باپ تو بوڑھے ہیں وہ فوج میں کس طرح بھرتی ہو سکتے ہیں؟ پھر اس نے شرمائی ہوئی آواز سے کہا مَیں نے اپنے ابا کو خط لکھ دیا ہے کہ وہ فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دے دیں۔ مَیں نے سمجھا کہ شاید اس نے یہ لکھا ہے کہ مجھے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ مَیں نے پھر کہا کہ لڑکیاں تو

فوج میں بھرتی نہیں ہوتیں۔ اس نے کہا آپ تو میری بات سمجھے ہی نہیں۔ مَیں نے اپنے ابّا کو لکھاہے کہ انہیں اجازت دے دیں کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ تب مجھے سمجھ آئی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ درحقیقت ہماری ہندوستانی عورت شرم کی وجہ سے اپنے خاوند کا نام نہیں لیا کرتی۔ اس نے بھی اپنے خاوند کا نام تو نہ لیا صرف یہ کہا کہ مَیں نے اپنے ابا کو لکھاہے کہ وہ انہیں فوج میں بھرتی کرادیں۔ مطلب یہ تھا کہ مَیں نے اپنے خاوند کے متعلق انہیں لکھاہے کہ وہ انہیں بھرتی کرادیں مگر چونکہ ہماری عورتیں شرم کے مارے اپنے خاوند کا نام نہیں لیتیں اس لئے اس کی بات سن کر پہلے تو مَیں سمجھا کہ شاید اس نے اپنے ابّا کو لکھاہے کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جائیں پھر جب مَیں نے کہا کہ وہ تو بوڑھے ہیں تو اس نے ایسا جواب دیا جس سے مَیں یہ سمجھا کہ شاید اس نے اپنے متعلق یہ لکھاہے کہ مجھے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دے دیں اور جب اس کے متعلق بھی مَیں نے کہا کہ عورتیں تو فوج میں بھرتی نہیں ہوتیں تب اس نے جو جواب دیا اس سے مَیں یہ سمجھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مَیں جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہے، جس کا ابھی رخصتانہ بھی نہیں ہوا، چاہتی ہوں کہ سلسلہ کی روایات کو قائم رکھنے کے لئے اپنے خاوند کو فوج میں بھجوادوں اور اس کے متعلق مَیں نے اپنے ابا کو خط لکھ دیا ہے کہ وہ انہیں فوج میں بھرتی کرادیں۔ تب مَیں نے سمجھا کہ اگر ایک کمزور دل عورت اس قسم کی بہادری دکھا سکتی ہے اور وہ اپنے سہاگ کے آنے سے پہلے ہی اس کو لٹانے کے خطرہ میں ڈال سکتی ہے تو مجھے امید رکھنی چاہئے کہ ہماری جماعت کے دوسرے افراد بھی ایسی ہی جرأت اور بہادری دکھائیں گے۔ پھر مجھے ان دوستوں نے جو بھرتی کے لئے باہر دورہ پر گئے ہوئے تھے سنایا کہ ایک عورت جس کا ایک ہی بچہ تھا وہ اسے لائی اور کہنے لگی۔ میرے اس بچہ کو احمدیہ کمپنی میں بھرتی کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں ہم نے اسے کہا مائی تیرا ایک ہی بچہ ہے تُو اس کو بھرتی نہ کرا۔ جن کے دو دو، تین تین بچے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنا ایک ایک بچہ بھرتی کرادیں مگر اس نے اصرار کیا اور کہا کہ مَیں اسے ضرور بھجوانا چاہتی ہوں اور کہا کہ جب احمدیت کے فائدہ اور اس کی ترقی کے لئے خلیفۃ المسیح یہ تحریک کر رہے ہیں تو مَیں اس ثواب میں شامل ہونے سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی۔ اسی طرح انہوں نے سنایا کہ ایک شخص کے دو لڑکے تھے۔ وہ ان دونوں

لڑکوں کو بھرتی کرانے کے لئے لے آیا۔ ہم نے اسے کہا کہ ایک کو بھرتی کرا دو اور ایک کو رہنے دو مگر اس نے اصرار کیا کہ مَیں اس ثواب میں دونوں کو شریک کرنا چاہتا ہوں۔

تو دیکھو ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے قربانی کے یہ نمونے پیش کئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت میں یہ گروہ ایک خاصی تعداد میں ہے۔ ضلع گورداسپور سے ہی ایک ہزار کے قریب احمدی فوج میں جا چکے ہیں اور یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ جنگی ملکوں میں سے بھی گورداسپور کی جماعت کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنے لوگ فوج میں بھرتی نہیں ہوتے مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت نے ضلع گورداسپور سے ہی ایک ہزار احمدی فوج میں بھجوا دئے ہیں جو بہت بڑی خوشی کا موجب ہے لیکن اس کے مقابلہ میں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ضلع سیالکوٹ کے دو گاؤں ایسے ہیں جہاں کے نوجوان تو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے تیار ہو گئے مگر وہاں کے بوڑھوں، عہدیداروں اور عورتوں نے رو پیٹ کر انہیں بھرتی ہونے سے روک دیا اور کہا کہ ہم تمہیں نہیں جانے دیں گے۔ سیالکوٹ کو خدا تعالیٰ نے یہ شرف عطا کیا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی قیامگاہوں میں سے ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ سیالکوٹ ہمیں دوسرے وطن کی طرح پیارا ہے۔[7] پس سیالکوٹ کو یہ ایک اعزاز حاصل ہے مگر اس اعزاز کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کو وہی جرأت اور بہادری اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے جس جرأت اور بہادری کو پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے۔ آپ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ میرا راستہ خدا تعالیٰ نے پھولوں کی سیج پر نہیں بنایا بلکہ کانٹوں اور تلواروں پر بنایا ہے۔

"اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔
مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ
درپیش ہیں جن کو مَیں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں
وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔"[8]

اس اعلان کے بعد جب کوئی شخص اس سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس اقرار کے ساتھ داخل ہوتا ہے کہ مَیں نے کانٹوں پر چلنا ہے پھولوں کی سیج پر نہیں چلنا اور یا پھر نَعُوْذُ بِاللّٰہ

اسے یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ کے ذریعہ لوگوں کو دھوکا دیا ہے جیسے بعض دفعہ جب کوئی شخص خاص طور پر اچھا کھانا کھانا چاہتا ہو تو دوسروں سے کہہ دیتا ہے کہ میرے گھر میں تو دال دلیا پکا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سن کر چلے جائیں تو بعد میں وہ اکیلا اس کھانے کو کھا جائے۔ ہمارے ملک میں مشہور ہے کہ ایک عورت سخت بخیل تھی وہ اپنے لئے تو خوب گھی ڈال کر کھچڑی پکا لیتی مگر بچوں کے آگے روکھی سوکھی روٹی رکھ دیتی۔ بچے کہتے کہ ماں تُو بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جا تو وہ کہہ دیتی ماں پئے چُلّھے وِچ تُسیں تے کھاؤ۔ یعنی ماں چولہے میں پڑے، روٹی تو صرف تمہارے لئے ہے تم کھاؤ اور مجھے بھوکا ہی رہنے دو۔ وہ سمجھتے کہ ماں ہماری خاطر روکھی سوکھی روٹی بھی نہیں کھاتی اور جو کچھ ملتا ہے ہمیں کھلا دیتی ہے۔ اس طرح وہ ماں کے بہت ممنون رہتے مگر ایک دن ایک چالاک لڑکا کہنے لگا مَیں یہ بات مان نہیں سکتا کہ ہماری ماں روزانہ فاقے کیا کرتی ہے۔ ایک دن فاقہ ہو سکتا ہے، دو دن فاقہ ہو سکتا ہے، تین دن فاقہ ہو سکتا ہے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہماری ماں کبھی کھانا ہی نہ کھائے۔ آخر اسے خیال آیا کہ ہماری اماں جو روز کہتی ہے کہ ماں پئے چُلّھے وِچ۔ تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ چولہے میں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے چولہے کی راکھ جو ہٹائی تو نیچے سے ایک قلفی 9 نکلی۔ اس کا ڈھکنا اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں کھچڑی رکھی ہوئی تھی اور اس میں خوب گھی پڑا ہوُا تھا۔ چنانچہ سب بچوں نے مل کر وہ کھچڑی کھا لی جب کھانے کا وقت آیا اور ان کی والدہ نے ان کے سامنے اپنی عادت کے مطابق روکھی سوکھی روٹی رکھ دی تو بچے کہنے لگے ماں آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ وہ کہنے لگی پُت ماں پئے چُلّھے وِچ۔ وہ کہنے لگے ماں چُلّھے وِلہے دے بھروسے تے نہ رہیں۔ آج چُلّھے وچ پُت پئے گئے ہن۔ یعنی چولہے کے بھروسے پر نہ بیٹھی رہنا وہ چولہے والی چیز آج ہم کھا گئے ہیں۔ اگر اسی کے بھروسہ پر بیٹھی رہو گی تو یہ روکھی سوکھی روٹی بھی نہیں ملے گی۔

پس یا تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ میرے راستہ میں بڑے بڑے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ درپیش ہیں جن لوگوں کے نازک پیر ہیں اور ان کانٹوں کو وہ برداشت نہیں کر سکتے وہ مجھ سے الگ ہو جائیں۔ اس وقت آپ کا یہ مطلب تھا کہ

میرے ان الفاظ کو سن کر دوسرے لوگ الگ ہو جائیں گے اور مَیں اکیلا تمام نعمتوں کو لے لوں گا اور یا پھر ماننا پڑے گا کہ لوگوں نے خود دھوکا کھایا۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ اس سلسلہ میں داخل ہو کر انہیں پھولوں کی سیج پر نہیں بلکہ کانٹوں پر چلنا پڑے گا مگر انہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہو کر اپنا راستہ پھولوں کی سیج پر تلاش کرنا چاہا۔

پس دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ دھوکا دینے والا سمجھا جائے گا یا خود تمہیں اپنے آپ کو دھوکا خوردہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ ان دو قصبات میں سے جو سیالکوٹ کے ضلع کے ہیں ایک قصبہ تو ایسا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہاں دیر سے احمدیت داخل ہے چند عہدیداروں کی وجہ سے وہ قصبہ لڑائی اور فساد کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ مجھے ہمیشہ خیال آیا کرتا ہے کہ اگر پیغامیت کبھی سیالکوٹ میں داخل ہوئی تو وہ اس گاؤں کے ذریعہ داخل ہو گی اور وہاں کے لوگ ہی اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اس فتنہ کی آگ کو ہوا دینے والے ہوں گے۔ مَیں اس گاؤں کے احمدی نوجوانوں کو کہتا ہوں کہ وہ فوراً وہاں کے عہدیداروں کو ہٹا دیں اور خود ان کی جگہ کام کرنے لگ جائیں ورنہ ان کے ساتھ ہی کفر کی دیواروں کے نیچے وہ بھی دب کر ہلاک ہو جائیں گے۔ انہیں دین کے معاملہ میں اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے چچا، اپنے بھائی اور اپنے کسی عزیز سے عزیز رشتہ دار کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ خدا تعالیٰ کی آواز کو ان تمام رشتے داروں پر مقدم سمجھنا چاہئے۔ ہر وہ باپ جو تم میں اور تمہارے خدا میں حائل ہوتا ہے اسے ہٹا دو، ہر وہ ماں جو تم میں اور تمہارے خدا میں حائل ہوتی ہے اسے ہٹا دو، ہر وہ چچا جو تم میں اَور تمہارے خدا میں حائل ہوتا ہے اسے ہٹا دو، ہر وہ بھائی جو تم میں اور تمہارے خدا میں حائل ہوتا ہے اسے ہٹا دو، ہر وہ رشتہ دار جو تم میں اور تمہارے خدا میں حائل ہوتا ہے اسے ہٹا دو کیونکہ وہ باپ کی شکل میں ایک شیطان ہے جو تمہارے سامنے کھڑا ہے، ماں کی شکل میں ایک شیطان ہے جو تمہارے سامنے کھڑی ہے، چچا کی شکل میں ایک شیطان ہے جو تمہارے سامنے کھڑا ہے، بھائی کی شکل میں ایک شیطان ہے جو تمہارے سامنے کھڑا ہے، تمہارے رشتہ دار کی شکل میں ایک شیطان ہے جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ جو لوگ اس جرأت سے کام نہیں لے سکتے ان کا یہ دعویٰ کہ وہ مومن ہیں بالکل جھوٹا ہے۔ پس ہٹا دو ان عہدیداروں کو اور خود آگے بڑھ کر ان

کی جگہ کام کرنا شروع کر دو اور یاد رکھو کہ اگر آج تمہارے دل میں کچھ ایمان موجود ہے اور تم نے اس سے کام نہ لیا تو یہ بوڑھے تمہیں ایک دن بے ایمان کر کے رہیں گے۔ پس وہاں کے نوجوان ان کو عہدوں سے ہٹا دیں اور احمدیت کے اس جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کرنا شروع کر دیں جس جھنڈے کو ان کے باپ دادا اور دوسرے رشتے دار اپنی بزدلی اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے گرانا چاہتے ہیں۔ خصوصاً میں خدام الاحمدیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس قسم کی باتوں کی پرواہ نہ کریں اور خواہ انہیں کتنی ہی بے دردی کرنی پڑے اور کتنے ہی عزیز ترین وجودوں کو ہٹا دینا پڑے، انہیں ہٹا کر ان کی جگہ لے لیں اور احمدیت کے نام، اور اس کے کام کو قائم کرنا شرع کر دیں اور وہ فساد اور لڑائیاں جو ان کے باپ دادوں نے شروع کی ہوئی ہیں ان کو مٹا دیں۔ اگر شاگرد کو اپنے استاد کے خلاف قدم اٹھانا پڑتا ہے تو وہ استاد کے خلاف قدم اٹھائے، اگر بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف قدم اٹھانا پڑتا ہے تو وہ اپنے باپ کے خلاف قدم اٹھائے اور دین کے معاملہ میں کسی رشتہ داری، کسی عزت اور کسی وجاہت کی پرواہ نہ کرے۔ یہ چیز خدام الاحمدیہ کے فرائض میں شامل ہے اور انہیں اس فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی اور غفلت سے کام نہیں لینا چاہئے۔ مَیں نے نوجوانوں کو اسی لئے منظم کیا ہے کہ اگر بوڑھے کسی وقت صداقت اور ہدایت کے خلاف قدم اٹھائیں تو نوجوان آگے بڑھیں اور ان بوڑھوں کو ہٹا کر ان کی جگہ کام کرنا شروع کر دیں اور مَیں نے انصار اللہ کے ذریعہ سے بوڑھوں کو اس لئے منظم کیا ہے کہ اگر کسی وقت نوجوان مغربی اثر سے متأثر ہونے لگ جائیں تو مائیں اپنے کلیجوں سے اور باپ اپنی گودیوں سے ایسے بچوں کو اتار کر پھینک دیں اور خود دین کا جھنڈا بلند کرنے لگ جائیں۔

یہ دو منکر نکیر ہیں جو مَیں نے خدا تعالیٰ کے فضل پر امید رکھتے ہوئے جماعت کی حفاظت کے لئے بنائے ہیں اور میری غرض ان سے یہ ہے کہ اگر کبھی بڑے آدمی فتنہ اور فساد میں ملوث ہو جائیں تو نوجوان آگے بڑھیں اور دین کا کام کرنا شروع کر دیں اور اگر کبھی نوجوان مغربیت کی رَو میں بہنے لگ جائیں تو بڑے لوگ آگے آئیں اور اپنے بیٹوں کو الگ کر دیں کیونکہ کوئی مومن باپ دین کے معاملہ میں اپنے بیٹوں کی پرواہ نہیں کر سکتا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کہ انہوں نے یہ دونوں نظارے دکھائے۔ انہوں نے ایک طرف اپنے چچا کو جو ان کے

باپ کی جگہ پر تھے خدا تعالیٰ کے لئے قربان کر دیا اور دوسری طرف اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے حکم پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ یہی حقیقی مومن کی شناخت کا طریق ہوتا ہے کہ اگر دین کے رستہ میں اس کا باپ کھڑا ہو تو وہ اسے ہٹا دیتا ہے اور اگر بیٹا کھڑا ہو تو وہ اسے ہٹا دیتا ہے۔ مَیں نے بغیر ان قصبات کا نام لئے اصولی رنگ میں ایک نصیحت کر دی ہے اور مَیں امید کرتا ہوں کہ سیالکوٹ کے لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا اشارہ کس کس گاؤں کی طرف ہے۔ یہ دو گاؤں ایسے ہیں جن میں کثرت سے احمدی ہیں اور سینکڑوں نوجوان ان میں پائے جاتے ہیں مگر باوجود احمدیوں کی اس کثرت کے ان میں شدید قسم کی بزدلی پیدا ہو گئی ہے جو ان کی احمدیت سے بے تعلقی کا ثبوت ہے۔ پس مَیں وہاں کے نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے کارکنوں کو نوٹس دے دیں کہ وہ اپنی حرکات سے باز آ جائیں اور اگر وہ اس نوٹس کے بعد بھی باز نہ آئیں تو ان کی جگہ خود سنبھال لیں اور یاد رکھیں کہ ان لوگوں کے ہٹنے سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ ان کا ایمان مضبوط ہو گا اور ان کا دین بھی سُدھر جائے گا اور ان کی دنیا بھی سُدھر جائے گی۔" (الفضل 24 جولائی 1942ء)

1: يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران:126)

2: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء:79)

3: بخاری کتاب اللقطة باب ضالة الابل و باب ضالة الغنم

4: اسد الغابة جزء خامس صفحہ 443 مطبوعہ لندن 1377ھ

5: مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 475۔ مطبوعہ بیروت 1978ء

6: بخاری کتاب المغازی باب فَضْل مَنْ شَهِدَ بَدْرًا

7: لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 243

8: انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23-24

9: قلفی: قفلی سے بگڑا ہوا لفظ یعنی سالن بند کرنے کا برتن